قومی ترقی کے دو اہم اصول

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قومی ترقی کے دو اہم اصول

(فرمودہ ۵؍جون ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب بمقام قادیان)

کچھ دن ہوئے مَیں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جو جماعتیں اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا چاہیں ان کے لئے کچھ اصول مقرر ہوتے ہیں اور مَیں نے کہا تھا کہ میں ان اصول کے متعلق کسی مجلس میں کچھ باتیں بیان کروں گا مگر اس کے بعد چونکہ بعض اور مضامین شروع ہوتے گئے اس لئے یہ مضمون بیان نہ ہوسکا۔ آج میں اسی مضمون کا کچھ حصہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی مقصد میں کامیابی کے لئے سب سے پہلی بڑی اور ضروری بات یہ ہوتی ہے کہ جماعت کو اپنے مقصد کے متعلق یقین ہو۔ یعنی ایک مقصدِ عالیہ جو اس کے سامنے ہو اس کے متعلق اسے کامل یقین ہو کہ یہ مقصد ٹھیک ہے، صحیح ہے اور مفید ہے۔ دینی اور دُنیوی جماعتوں کے الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں کوئی ایک مقصد انسان اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اور اس کی کامیابی کے لئے کوشش شروع کر دیتا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا** [1] یعنی ہر شخص کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے جس کی طرف وہ اپنی پوری توجہ مبذول کر دیتا ہے اس جگہ **وِجْهَةٌ** سے مراد وہ مطمح نظر یا مقاصد عالیہ ہیں جو مفید اور بابرکت ہوں چاہے وہ دینی ہوں یا دُنیوی، دینی جماعتوں کے سامنے بھی ایک مفید مقصد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور دُنیوی جماعتوں کے پیش نظر بھی ایک مفید اور بابرکت مقصد کا ہونا ضروری ہوتا ہے، جب تک ان دونوں قسم کی جماعتوں کے سامنے کوئی مفید اور بابرکت مقصد نہ ہو ان کے اندر بیداری پیدا نہیں ہوسکتی مثلاً مسلمانوں کو دیکھ لو آج سے تھوڑا عرصہ پیشتر ان کے اندر کوئی انجمنیں نہ تھیں اور یہ لوگ کانگرس کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے لیکن جب

انہوں نے کانگرس کی خود غرضانہ چالوں کو بھانپا اور اپنی الگ سیاسی پارٹی بنانا چاہی تو عام مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ کانگرس کی موجودگی میں الگ سیاسی پارٹی بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمان لیڈروں نے یہ دیکھ کر کہ قوم کے نوجوان ان کا پوری طرح ساتھ دینے کو تیار نہیں ہیں اخبارات میں بیان دینے شروع کئے۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ اخبار صرف اس وجہ سے ان کے بیان چھاپ دیتے تھے کہ یہ بڑے بڑے لوگ ہیں ان کے ناموں سے بیان چھپنے سے ہمارے اخبارات کی خوب اشاعت ہوگی اور لیڈر اس وجہ سے بیان دیتے تھے کہ ہمارا نام روشن ہو جائے گا مگر اس کا نتیجہ کچھ بھی نہ نکلتا تھا اور عوام الناس کانگرس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے مگر اب چار پانچ سال سے جب مسلمانوں کے سامنے ایک مقصد رکھا گیا اور ان کو سمجھایا گیا کہ یہ مقصد ہمارے لئے مفید اور بابرکت ہے تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے کہا ہم اپنی الگ حکومت چاہتے ہیں اور جب انہوں نے اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کانگرس یا انگریز ہماری مدد نہیں کریں گے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ کام اب ہم نے ہی کرنا ہے اور جب ایک مقصد ان کے سامنے آ گیا تو ان کے اندر بیداری پیدا ہوگئی اور وہ اس قسم کے نعرے لگانے لگ گئے کہ لے کے رہیں گے پاکستان۔ مسلمانوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو سیاست سے بالکل بے بہرہ تھے اور وہ پاکستان کے معنے بھی نہ جانتے تھے لیکن یہ مقصد سامنے آنے پر وہ اس کے حصول کے لئے تُل گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ یہی سمجھتے تھے کہ جب کانگرس آزادی کے لئے لڑ رہی ہے تو ہمارے الگ ہو کر لڑنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ کہتے تھے کہ جب کانگرس آزادی حاصل کر لے گی تو ہمیں خود بخود آزادی مل جائے گی لیکن جونہی پاکستان کا سوال اٹھا مسلمانوں کا بچہ بچہ بیدار ہو گیا اور انہوں نے کہا ہمارے اس مقصد کے حصول میں ہندو ہماری مدد نہیں کریں گے، سکھ ہماری مدد نہیں کریں گے، انگریز ہماری مدد نہیں کریں گے بلکہ یہ مقصد اگر حاصل ہو سکتا ہے تو ہماری اپنی قربانیوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان میں بیداری پیدا ہوتی گئی اور آخر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔

مذہبی جماعتوں کا مقصد اس سے بالکل جُدا گانہ ہوتا ہے ایک مذہبی جماعت دُنیوی

بادشاہت کے پیچھے نہیں پڑتی بلکہ وہ اپنے سامنے یہ مقصد رکھتی ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے اور جب مؤمن اس مقصد کو اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ہم ہی نے کرنا ہے کسی اور نے نہیں کرنا۔ دنیا اور کاموں میں لگی رہتی ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت کی بنیادیں رکھ رہے ہوتے ہیں پس کامیابیوں اور ترقیات کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ قوم کے سامنے ایک مقصد عالی ہو کیونکہ جب تک مقصد عالی نہ ہوگا بیداری پیدا نہیں ہو سکے گی اور اس مقصد کے متعلق اس قوم یا جماعت کے اندر یہ احساس پایا جائے کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے اور کسی نے نہیں کرنا۔ جب یہ روح اس کے اندر پیدا ہو جائے گی تو اس مقصد کے حصول میں کوئی روک نہیں رہے گی۔ کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چومیں گی اور ہر میدان میں فتح کا سہرا اس کے سر پر ہوگا مگر اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ مذہبی جماعتیں زمین کی بادشاہت کے لئے جدوجہد نہیں کرتیں بلکہ وہ آسمانی بادشاہت کے لئے کوشاں رہتی ہیں جیسے حضرت مسیحؑ نے بھی فرمایا ہے کہ اے خدا! تیری بادشاہت جیسے آسمان پر ہے ویسی ہی زمین پر بھی ہو[۲] یہی وجہ تھی کہ یہودیوں کے اندر غلط فہمی سے یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ مسیح زمین کی بادشاہت چاہتا ہے حالانکہ وہ آسمانی بادشاہت چاہتا تھا اور عیسائیوں کے دلوں میں اس مقصد کے حصول کے لئے جوش پیدا ہو گیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ کام ہم نے ہی کرنا ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر ان میں سے ہر ایک قربانی کرتا تھا اور ان میں یک جہتی اور یکسوئی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ جماعت طاقت پکڑ گئی۔

پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے بتایا کہ مسیحؑ جو کہتا تھا کہ میں کچھ مدت کے بعد آسمان پر چلا جاؤں گا یہ دراصل پیشگوئی تھی کہ ایک مدت تک میری بادشاہت قائم رہے گی پھر خدا کسی اور کو بھیج دے گا جس کی حکومت دائمی ہوگی۔ پس جب مسیح کی بادشاہت آسمان پر چلی گئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دیا۔ شروع شروع میں آپ کے ساتھ دس بیس صحابہؓ تھے لیکن ان میں سے ہر شخص یہ سمجھے ہوئے تھا کہ میں نے ہی خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کرنا ہے اور وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کام صرف اور صرف ہمارا ہی ہے اور اس کو ہم نے ہی سرانجام دینا ہے۔ عتبہ، شیبہ، ولید اور ابوجہل وغیرہ

نے سرانجام نہیں دینا۔ پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے دین اور اس کی بادشاہت کے قیام کے لئے لگے رہے اور آخر کامیاب ہو گئے۔ اس وقت ہر شخص جو اسلام کے اندر داخل ہوتا تھا وہ اس ارادہ سے آتا تھا کہ میں نے اپنی جان کو ہلاک کر دینا ہے مگر خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کر کے چھوڑنا ہے اور ان میں سے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کے متعلق یہ سمجھ لے کہ یہ میں نے ہی کرنا ہے تو اس کے اندر بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔ عام طور پر ہماری جماعت کے لوگوں کا طریق ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دعا کے لئے کہتے رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو سنجیدگی کے ساتھ اور ضرورتاً کہتے ہیں اور بعض عادتاً کہہ جاتے ہیں اور پھر جن کو دعا کے لئے کہا جاتا ہے وہ بھی ان دونوں پہلوؤں کو لیتے ہیں جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو جو دعا کے لئے کہا گیا یہ ضرورتاً اور سنجیدگی کے ساتھ نہیں کہا گیا تو وہ دعا نہیں کرتا اور بھول جاتا ہے لیکن جو شخص دعا کی درخواست کرنے والے کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اس کو واقعی کوئی مصیبت درپیش تھی اور اس نے مجھ سے دعا کی قبولیت پر یقین رکھتے ہوئے دعا کی درخواست کی ہے وہ ضرور دعا کرتا ہے اور ایسی دعا ہی اللہ تعالیٰ کے حضور قبول ہوتی ہے۔ مثلاً مجھے اپنا ایک واقعہ یاد ہے کہ ۱۸۔۱۹۱۷ء میں ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر بغداد گئے۔ ان کے بھائی نذیر احمد صاحب یہاں تھے۔ وہ ہمارے چھوٹے بھائی میاں شریف احمد صاحب کے ساتھ پڑھتے رہے تھے۔ اُن دنوں ہمارا طریق تھا کہ ہم حضرت اماں جان مدظلہا العالی کے ساتھ شام کا کھانا کھایا کرتے تھے ایک دن ہم کھانا کھا رہے تھے تو عزیزم میاں شریف احمد صاحب نے مجھے بتایا کہ انہیں نذیر احمد صاحب نے بتایا ہے کہ ان کے بھائی ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب مارے گئے ہیں اور یہ خبر ان کو گورنمنٹ کی طرف سے ملی ہے۔ اس سے کچھ دن پیشتر انہی ڈاکٹر صاحب کی والدہ اور والد صاحب یہاں آئے تھے اور میں نے ان دونوں کو دیکھا تھا وہ دونوں بہت ضعیف تھے اور عجیب بات یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ان کے اکلوتے بیٹے ہیں حالانکہ وہ سات بھائی تھے۔ جب میں نے ان کے مارے جانے کی خبر سنی تو مجھے ان کے بوڑھے والدین کا خیال کر کے بہت صدمہ ہوا اور مَیں نے خیال کیا کہ ان بے چاروں کا وہی ایک بیٹا بڑھاپے کا سہارا تھا اب ان کا کیا حال ہوگا۔ چنانچہ

جب میں عشاء کی نماز کے بعد بیت الدعا میں سنتیں پڑھنے کے لئے گیا تو نہایت جوش اور رقت کے ساتھ میرے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلنے لگے کہ الٰہی! ڈاکٹر مطلوب خاں زندہ ہو جائیں مگر پھر میرے دل میں خیال آتا کہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہی نہیں کہ کوئی شخص ایک دفعہ مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے مگر اس خیال کے آنے کے بعد بھی میرے منہ سے بے اختیار یہ دعا نکل جاتی کہ الٰہی! ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب زندہ ہو جائیں اور یہ دعا برابر میرے منہ سے نکلتی رہی۔ رات کو جب میں سویا تو میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب مجھے ملے ہیں اور انہوں نے تین چار دن پہلے کی تاریخ بتا کر کہا کہ میں زندہ ہوں۔ میں نے دوسرے دن کھانا کھاتے وقت یہ خواب میاں شریف احمد صاحب کو سنائی اور ساتھ ہی کہا یہ خواب ہے تو سچی کیونکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ خواب سچی ہے مگر میں واقعات کو کیا کروں مرے ہوئے آدمی تو زندہ نہیں ہو سکتے اور اِس کی کوئی اور تعبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ میاں شریف احمد صاحب نے میری یہ خواب نذیر احمد صاحب کو سنائی وہ بھی اس پر حیران ہوئے لیکن دوسرے ہی دن نذیر احمد صاحب نے بتایا کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب کی تار آئی ہے کہ میں صحیح سلامت ہوں۔ یہ سن کر سب حیران رہ گئے کہ گورنمنٹ تو اطلاع دے رہی ہے کہ مطلوب خاں فوت ہو چکا ہے اور خود مطلوب خاں صاحب تار دیتے ہیں کہ میں زندہ ہوں۔ اصل بات یہ تھی کہ ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب ایک لڑائی میں شامل ہوئے اور اسی حملہ میں ایک ڈاکٹر کی لاش ملی وہ ڈاکٹر تو سکھ تھا مگر اس کی داڑھی کی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ یہ ڈاکٹر مطلوب خاں کی لاش ہے اور چونکہ لاش کا چہرہ بالکل پہچاننے کے قابل نہ رہ گیا تھا اور پھر وہاں ڈاکٹر مطلوب خاں صاحب ہی معروف تھے اس لئے سمجھ لیا گیا کہ وہ مارے گئے ہیں اور گورنمنٹ نے ان کے مرنے کی خبر بھی دے دی۔ درحقیقت مطلوب خاں صاحب کو دشمن قید کر کے لے گئے تھے اور جب اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے دشمن پر بمباری کی تو دشمن میں افراتفری پھیل گئی اور یہ کسی طرح بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ پس دعا کے لئے دردِ دل کا ہونا ضروری ہے۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے دل میں سب سے بڑھ کر کس شخص کے لئے دعا کرنے کے لئے جوش پیدا ہوتا ہے انہوں نے فرمایا جو شخص میرے پاس

آ کر یہ کہے کہ میرا آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس کے لئے میرے دل میں بہت جوش پیدا ہوتا ہے۔ پس جو آ کر کہتا ہے کہ میرا تمہارے سوا اور کوئی نہیں اس کے لئے دل میں درد پیدا ہو جاتا ہے مثلاً جب میں نے ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر سنی تو مجھے ان کے بوڑھے والدین کا خیال کر کے سخت صدمہ ہوا اور میں نے خیال کیا کہ ان کا میرے سِوا کوئی نہیں رہا اس لئے اس قدر درد اور سوز کے ساتھ میرے دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو صحیح سلامت رکھ لیا۔ پس کسی مقصد کے لئے یہ جان لینا ضروری ہوتا ہے کہ یہ کام صرف میں نے ہی سرانجام دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مرسل جب آتے ہیں اُس وقت ہر شخص جوان کی جماعت میں داخل ہوتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ دین کا کام میرے سوا اور کسی نے نہیں کرنا جب وہ یہ سمجھ لے تو وہ اس کی انجام دہی کے لئے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ مجنوں بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو میں نے اس قسم کی آوازیں سنیں کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے ایسا کہنے والے یہ تو نہیں کہتے تھے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ جھوٹے ہیں مگر یہ کہتے تھے کہ آپ کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام اچھی طرح نہیں پہنچایا اور پھر آپ کی بعض پیشگوئیاں بھی پوری نہیں ہوئیں۔ میری عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی۔ میں نے جب اِس قسم کے فقرات سنے تو میں آپ کی لاش کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا اور مَیں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے دعا کی کہ اے خدا! یہ تیرا محبوب تھا جب تک یہ زندہ رہا اس نے تیرے دین کے قیام کے لئے بے انتہاء قربانیاں کیں اب جبکہ اس کو تُو نے اپنے پاس بلا لیا ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس کی وفات بے وقت ہوئی ہے ممکن ہے ایسا کہنے والوں یا ان کے باقی ساتھیوں کے لئے اس قسم کی باتیں ٹھوکر کا موجب ہوں اور جماعت کا شیرازہ بکھر جائے اس لئے اے خدا! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت بھی تیرے دین سے پھر جائے تو میں اس کے لئے اپنی جان لڑا دوں گا۔ اُس وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے اور یہی ایک چیز تھی جس نے ۱۹ سال کی عمر میں ہی میرے دل کے اندر ایک ایسی آگ بھر دی کہ میں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت پر لگا دی اور باقی تمام

مقاصد کو چھوڑ کر صرف یہی ایک مقصد اپنے سامنے رکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کام کے لئے تشریف لائے تھے وہ اب میں نے ہی کرنا ہے۔ وہ عزم جو اُس وقت میرے دل کے اندر پیدا ہوا تھا آج تک میں اُس کو نت نئی چاشنی کے ساتھ اپنے اندر پاتا ہوں اور وہ عہد جو اُس وقت میں نے آپ کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا تھا وہ خضرِ راہ بن کر مجھے ساتھ لئے جاتا ہے۔ میرا وہی عہد تھا جس نے آج تک مجھے اس مضبوطی کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رکھا کہ مخالفت کے سینکڑوں طوفان میرے خلاف اُٹھے مگر وہ اس چٹان کے ساتھ ٹکرا کر اپنا ہی سر پھوڑ گئے جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا تھا اور مخالفین کی ہر کوشش، ہر منصوبہ اور ہر شرارت جو انہوں نے میرے خلاف کی وہ خود انہیں کے آگے آتی گئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل کے ساتھ مجھے ہر موقع پر کامیابیوں کا منہ دکھایا یہاں تک کہ وہی لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت یہ کہتے تھے کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے آپ کے مشن کی کامیابیوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ پس جو شخص یہ عہد کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ کام میں نے ہی سرانجام دینا ہے اُس کے رستہ میں ہزاروں مشکلات پیدا ہوں، ہزاروں روکیں واقع ہوں اور ہزاروں بند اُس کے رستہ میں حائل ہوں وہ ان سب کو عبور کرتا ہوا اس میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کامیابی اس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوتی ہے۔ پس ہماری جماعت کے ہر شخص کو یہ عہد کر لینا چاہئے کہ دین کا کام میں نے ہی کرنا ہے اس عہد کے بعد ان کے اندر بیداری پیدا ہو جائے گی اور ہر مشکل ان پر آسان ہوتی جائے گی اور ہر عسر ان کے لئے یسر بن جائے گی ان کو بے شک بعض تکالیف اور مصائب اور آلام سے بھی دو چار ہونا پڑے گا مگر وہ اس میں عین راحت محسوس کریں گے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ دین کی تکمیل کے لئے صرف تم ہی میرے مخاطب ہو تمہارے صحابہ اس کام میں حصہ لیں یا نہ لیں لیکن تم سے بہرحال میں نے کام لینا ہے[۳] یہی وجہ تھی کہ آپ رات دن اسی کام میں لگے رہتے تھے اور آپ کی ہر حرکت اور آپ کا ہر سکون اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل اِس بات کے لئے وقف تھا کہ خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کیا جائے اور آپ اس بات کو سمجھتے تھے کہ یہ اصل میں میرا ہی کام ہے کسی اور کا نہیں۔ جب آپ فوت ہوئے تو بہت

سے نادان مسلمان مرتد ہوگئے تاریخوں میں آتا ہے کہ صرف تین جگہیں ایسی رہ گئی تھیں جہاں مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی تھی۔اسی طرح ملک کے اکثر لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا کیا حق ہے کہ وہ ہم سے زکوٰۃ مانگے۔ جب یہ رَو سارے عرب میں پھیل گئی اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسے لوگوں پر سختی کرنی چاہی تو حضرت عمرؓ اور بعض اور صحابہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور انہوں نے عرض کیا کہ یہ وقت سخت نازک ہے اِس وقت کی ذرا سی غفلت بہت بڑے نقصان کا موجب ہوسکتی ہے اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ نہ کیا جائے اور جو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ تم میں سے جو شخص ڈرتا ہو وہ جہاں چاہے جائے خدا کی قسم! اگر تم میں سے ایک شخص بھی میرا ساتھ نہ دے گا تو بھی میں اکیلا دشمن کا مقابلہ کروں گا اور اگر دشمن مدینہ کے اندر گھس آئے اور میرے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو قتل کر دے اور عورتوں کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں ان سے جنگ کروں گا اور اُس وقت تک نہیں رُکوں گا جب تک یہ لوگ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی وہ رسّی بھی جو پہلے زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے نہ دینے لگ جائیں۔[۱۴] چنانچہ انہوں نے دشمن کی شرارت کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا اور آخر کامیاب ہوئے صرف اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے اسی لئے انہوں نے مشورہ دینے والے صحابہؓ کو کہہ دیا کہ تم میں سے کوئی شخص میرا ساتھ دے یا نہ دے میں اکیلا دشمن کا مقابلہ کروں گا یہاں تک کہ میری جان خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو جائے۔ پس جس قوم کے اندر یہ عزم پیدا ہو جائے وہ ہر میدان میں جیت جاتی ہے اور دشمن کبھی اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اپنے مقصد کی کامیابی پر یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو کسی قوم کو بامِ رفعت پر پہنچا سکتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ہماری جماعت کے لوگوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ انہیں جان لینا چاہئے کہ جو مقصدِ عالی ان کے سامنے ہے اسے ہمارے سوا کسی اور نے نہیں کرنا اور یہ کام چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اس لئے کس قدر بھی زیادہ قربانیاں ہمیں اس کے لئے کیوں نہ کرنی پڑیں ہم ان سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہمارے سامنے تاریخ میں ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ لوگوں نے اپنے آقاؤں کے

لئے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔

ایک بادشاہ اور اس کا نوکر کہیں جا رہے تھے کہ دشمن نے ان کو پکڑ لیا اور بادشاہ کو پھانسی کی سزا مل گئی مگر نوکر نے بادشاہ کو پھانسی سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور کہا بادشاہ یہ نہیں بلکہ میں ہوں اس لئے مجھے پھانسی پر چڑھایا جائے۔

اسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ خانخاناں جو بہرام کے بیٹے تھے اور فوج میں جرنیل تھے شاہجہان کے وقت جب بغاوت ہوئی اور باشاہ کے داماد نے یہ شرارت اُٹھائی تو اس میں خانخاناں کو بھی مورد ِالزام ٹھہرایا گیا۔ اُن کا نوکر جو نَومُسلم تھا ان کا بہت منہ چڑھا تھا انہوں نے اس کو داروغہ بنا دیا تھا اور لوگ اس نوکر کو جانجاناں کے نام سے پکارتے تھے۔ خانخاناں بہت سخی واقع ہوئے تھے مگر جانجاناں ان سے بھی زیادہ سخی تھا اور ان کا بہت سا مال تقسیم کر دیا کرتا تھا اور لوگ اس پر ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ خانخاناں نے اس کو کیوں اتنا منہ چڑھایا ہوا ہے۔ خانخاناں کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ وہ کھانا کھانے بیٹھے اور ان کا ایک نوکر چوکری [۵] جَھل رہا تھا کہ وہ رو پڑا انہوں نے جب اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اس سے پوچھا تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے کیا تمہیں میرے پاس رہنے میں کوئی تکلیف ہے؟ نوکر نے کہا تکلیف تو کوئی نہیں صرف یہ بات ہے کہ میں ایک بہت بڑے رئیس کا بیٹا ہوں اور میرا باپ بھی آپ ہی کی طرح کا رئیس تھا اور بالکل اسی طرح اُس کے سامنے کھانے چنے جاتے تھے اور مہمان پاس بیٹھ کر کھاتے تھے جب میں نے آپ کے دسترخوان پر یہ کھانے دیکھے اور اتنے لوگوں کو کھاتے دیکھا تو مجھے اپنا باپ یاد آ گیا اور میں بے اختیار رو پڑا۔ عبدالرحیم خانخاناں نے کہا اچھا ایک بات تو بتاؤ کبوتر کے گوشت کا سب سے زیادہ، اچھا اور لذیذ کونسا حصہ ہوتا ہے؟ جو لوگ کبوتر کا گوشت استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا سب سے لذیذ حصہ اس کی کھال ہوتی ہے۔ نوکر نے کہا کبوتر کی کھال سب سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، یہ سن کر خانخاناں سمجھ گئے کہ یہ واقعی کسی رئیس کا لڑکا ہے۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ اِس نوکر کو حمام میں لے جا کر اسے غسل دیا جائے اور اسے اعلیٰ قسم کا لباس پہنایا جائے اور دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا جائے۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا جب دوسرے نوکروں نے یہ واقعہ سنا تو ان میں سے بھی ایک نوکر کا جی

للچایا اور اُس نے ارادہ کیا کہ میں بھی اسی قسم کا پارٹ ادا کروں گا چنانچہ دوسرے دن جب وہ لڑکا کھانے کے وقت چوکری جھل رہا تھا اس نے بھی رونا شروع کر دیا۔ خانخاناں نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میرا باپ بھی آپ ہی کی طرح کا ایک رئیس تھا اور اسی طرح اس کے سامنے کھانے رکھے جاتے تھے اور نوکر چاکر اور خدمت گذار ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے میں نے جب آپ کے سامنے دسترخوان دیکھا تو مجھے اپنا باپ یاد آ گیا۔ خانخاناں نے بے ساختہ اُس سے پوچھا بتاؤ بکرے کے گوشت کا سب سے لذیذ حصہ کونسا ہوتا ہے؟ نوکر نے بِلا سوچے سمجھے کہہ دیا کہ کھال۔ خانخاناں نے نوکروں کو حکم دیا کہ نکال دو اِس بدتمیز کو اس نے جھوٹ بولا ہے۔

خانخاناں کے متعلق ایک اور لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہتے ہیں وہ بہت زیادہ خوبصورت تھے ایک امیر عورت اُن پر فریفتہ ہوگئی اور اُس نے اُن سے کہا میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں تا کہ میرا بیٹا آپ ہی کی طرح کا خوبصورت ہو۔ وہ ہر روز اُن کو شادی کا پیغام بھیجتی تھی مگر وہ انکار کر دیتے تھے۔ ایک دن تنگ آ کر اُنہوں نے اُس عورت کو لکھا کہ بچہ ہونا خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور فرض کرو میرے ساتھ شادی کر کے بھی تمہارے ہاں کوئی لڑکا نہ پیدا ہو تو تمہاری ساری محنت ضائع جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھی کو اپنا بیٹا سمجھ لو جس طرح میں اپنی والدہ کی خدمت کیا کرتا ہوں اسی طرح تمہاری بھی خدمت کیا کروں گا۔

غرض میں بیان کر رہا تھا کہ خانخاناں بھی سخی تھے ان کا نوکر جانجاناں ان سے بھی زیادہ سخی تھا اور وہ ان کا بہت سا مال لٹا دیتا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ناراض ہوتے اور کہتے آپ نے اس نوکر کو اتنا کیوں سر چڑھا رکھا ہے۔ خانخاناں ہمیشہ یہ جواب دیا کرتے کہ جب کبھی مجھ پر کوئی مصیبت کا وقت آیا اُس وقت اِس نوکر کی وفاداری دیکھ لینا۔ چنانچہ جب بغاوت کے زمانہ میں ان پر بھی بغاوت کا الزام لگایا گیا اور اُن کو پھانسی کا حکم ہوا اور سپاہی ان کو پکڑنے کے لئے آئے تو باقی تمام نوکر تو بھاگ گئے لیکن جانجاناں اکیلا اُن کے مقابلہ میں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا اور مقابلہ کرتے کرتے اُس نے جان دے دی چنانچہ اب تک اُس کا مقبرہ موجود ہے ایک طرف خانخاناں کا مقبرہ ہے اور دوسری طرف چھوٹا سا جانجاناں کا مزار ہے۔

اب دیکھو دنیا میں چھوٹے چھوٹے محسنوں کے لئے لوگ کتنی قربانیاں کرتے ہیں پھر جب وہ فانی دنیا کے فانی محسنوں کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں یا یوں سمجھ لو کہ جب وہ کوئلوں کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں تو تم روحانی موتیوں اور ہیروں کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو کیوں قربان نہیں کر سکتے۔ اگر تم ایسا کرو اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو تو اللہ تعالیٰ تمہیں غیر معمولی ترقی عطا فرمائے گا اور تمہارا قدم ہمیشہ ترقی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ قرآن کریم نے نہایت واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کی حقیر قربانی پیش کرتا ہے اُسے ابدی حیات عطا کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ[٦] یعنی جو لوگ میری راہ میں اپنی جان دیتے ہیں تم انہیں مُردہ مت کہو وہ لوگ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں گویا خدا ان کے لئے مُردہ کا لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کی غیرت کہتی ہے کہ جن لوگوں نے میرے راستہ میں جان دی ہے ان کو مُردہ کہنا بھی گناہ کی بات ہے مُردہ وہ ہیں جو دنیا کے لئے مرے نہ وہ جو خدا کے لئے مرے اور انہوں نے ابدی حیات پائی۔ اب دیکھو یہ خدا تعالیٰ کی کتنی غیرت ہے کہ وہ ان کے لئے مُردہ کا لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتا وہ کہتا ہے میرا بندہ کمزور تھا اور اسے صرف مرنا آتا تھا اُس نے مر کر دکھا دیا مگر مجھے زندہ کرنا آتا ہے اس لئے اب میرا فرض ہے کہ میں اسے ابدالآباد کے لئے زندہ رکھوں۔

پس ہماری جماعت کے ہر چھوٹے اور بڑے، نوجوان اور بوڑھے کو اس مقام پر کھڑا ہو جانا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مرنا ہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ جب کوئی شخص اس یقین سے لبریز ہو جاتا ہے تو اس کی ساری کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں سے بھی ٹکر لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پس سب سے پہلی چیز جو دینی جماعتوں کی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں اپنے مقصد عالی کے متعلق پورا پورا یقین ہو جب کسی قوم کو یہ یقین حاصل ہو جائے اُس کا رُعب دوسروں پر چھا جاتا ہے اور وہ اس سے ڈرنے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے سامنے صحابہؓ کی

ایک مثال موجود ہے ایک دفعہ ایک یہودی جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا اور پھر آپ نے اسے ادا بھی کر دیا تھا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے مجھ سے کچھ قرض لیا تھا جو ابھی تک ادا نہیں کیا آپ نے فرمایا وہ تو میں نے ادا کر دیا ہوا ہے۔ یہودی کو تو یہ خیال تھا کہ خواہ میں اپنا قرض واپس لے چکا ہوں مگر جب میں لوگوں کے سامنے آپ سے پھر مانگوں گا تو اِس وجہ سے کہ قرض کی واپسی کے وقت کوئی گواہ موجود نہ تھا آپ گھبرا کر دوبارہ مجھے روپیہ دے دیں گے مگر آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارا قرض واپس کر دیا تھا۔ اُس نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ آپ کو یاد نہیں رہا میرا قرض آپ نے ابھی تک واپس نہیں کیا۔ اس پر ایک صحابی کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے قرض ادا کر دیا ہوا ہے۔ اس سے یہودی ڈر گیا اور کہنے لگا ہاں اب مجھے یاد آ گیا ہے کہ آپ نے قرض واپس کر دیا تھا جب یہودی چلا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابیؓ سے فرمایا مجھے تو یہی یاد پڑتا ہے کہ جب میں نے اُس کا قرض واپس کیا تھا تو ہم دونوں کے سوا اور کوئی آدمی پاس نہ تھا تم نے کیسے گواہی دے دی؟ اس صحابیؓ نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! آپ ہر روز ہمیں فرماتے ہیں کہ آج خدا تعالیٰ نے مجھے یہ کہا اور آج یہ کہا اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی ہر بات سچی ہوتی ہے۔ تو جب آپ یہ فرما رہے تھے کہ میں نے قرض ادا کر دیا ہے تو میں اس بات کو کیوں سچ یقین نہ کرتا۔ پس جب صحابہؓ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا یقین تھا جو ایک بشر تھے تو جب خدا تعالیٰ ہم سے کہتا ہے کہ تم مرو گے تو ہمیں کیوں نہ یقین آئے گا ہمیں تو خدا تعالیٰ پر بہت زیادہ یقین ہونا چاہئے اور ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ جس دن ہم اس رنگ میں اپنی قربانیاں خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں گے ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگ جائے گی۔

پس یقین کر لو کہ اس مقصد سے بڑھ کر اور کوئی مقصد نہیں جو ہمارے سامنے رکھا گیا ہے جب ہم اس مقصد پر قائم ہو جائیں گے تو ہم کبھی ناکام نہیں رہ سکتے کیونکہ جب خدا تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ تم نے کامیاب ہو جانا ہے تو اس میں شبہ کرنے والا مؤمن نہیں کہلا سکتا یہ یقین قوم کے اندر ایسا جوش، جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے کہ دوسرے لوگ مؤمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر ہی بھانپ جاتے ہیں کہ ان کے پیچھے کوئی بالا طاقت ہے اور وہ اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں۔ انسان کی سمجھ جانوروں سے تو بہر حال زیادہ ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ دو کتے جب ایک دوسرے کو غراتے ہیں تو ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو کر غوں غوں کرتے ہیں کچھ دیر اسی طرح کرنے کے بعد ایک کتا دُم دَبا کر بھاگ جاتا ہے اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کی غوں میں طاقت ہے۔ اسی طرح جب مؤمن یقین کے ساتھ پُر ہو کر مقابلہ کے لئے نکلتا ہے تو کوئی اس کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ شملہ گیا وہاں ایک گریجوایٹ ہندو تھے میں نے ان کے سامنے مثال پیش کی کہ ہمیں اپنے مذہب کی سچائی پر اتنا کامل یقین ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انہوں نے کہا آپ یہ کس طرح کہتے ہیں اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر ہر شخص کو کامل یقین ہوتا ہے۔ مَیں نے کہا آپ کو وہ یقین حاصل نہیں جو مجھے ہے۔ انہوں نے کہا اس بات کا کیا ثبوت آپ کے پاس ہے؟ میں نے کہا کہ جس طرح میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اسلام سچا مذہب ہے اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اس طرح کی قسم آپ نہیں کھا سکتے۔ انہوں نے کہا میں بھی یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ اگر میرا مذہب جھوٹا ہے تو مجھ پر خدا کا عذاب نازل ہو۔ میں نے کہا یہ قسم تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتی قسم اِس طرح ہونی چاہئے کہ اے خدا! اگر میرا مذہب سچا نہیں ہے تو تُو مجھ پر، میرے بیوی بچوں پر، میرے خاندان پر اور میری تمام نسلوں پر عذاب نازل کر اور میں ایسی قسم اُٹھانے کے لئے تیار ہوں آپ بھی ایسی ہی قسم اُٹھائیں۔ اس پر وہ کہنے لگے آپ میرے بیوی بچوں کو درمیان میں کیوں لاتے ہیں؟ میں نے کہا اگر آپ کو اپنے مذہب کی سچائی پر کامل یقین ہے تو پھر آپ بیوی بچوں کو بیچ میں لانے سے گھبراتے کیوں ہیں۔ جس کو کامل یقین ہو اس کے لئے تو گھبرانے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی اور اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ آپ کو وہ یقین اپنے مذہب کی سچائی پر نہیں جو مجھ کو اپنے مذہب کی سچائی پر ہے۔

غرض ہماری جماعت کو یقین کامل رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے ''نیمے دروں نیمے بروں''[۸] والا ایمان کسی کام کا نہیں ہوتا۔ ایسا ایمان تو دنیا کی دوسری قوموں مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ تمہیں اس بات پر کامل

یقین ہونا چاہئے کہ ہم جس مقصد کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں وہ مقصد نہایت اعلیٰ ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہمارے خدا نے ہمیں حکم دیا ہے اور تم سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے جو امانت ہمارے سپرد کی ہے اس میں خیانت کرنا مؤمنانہ شان کے خلاف ہے اور ہم نے جو کچھ کرنا ہے محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے کرنا ہے۔ جب ہم میں سے ہر شخص اس راز کو اچھی طرح سمجھ لے گا اور اپنے اندر ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرے گا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آپ کے رنگ میں رنگیں ہو کر کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتا چلا جائے گا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہؓ کو اس لئے کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی کہ ان میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور علیؓ تھے بلکہ اس لئے کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سب کے سب آپ کے رنگ میں رنگیں ہو گئے تھے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ دین کی ساری ذمہ داری ہم پر ہی ہے۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اِس مقام پر کھڑا کر لیا تو اُن کو ہر مشکل آسان نظر آنے لگ گئی اور انہوں نے دین کے لئے وہ قربانیاں پیش کیں جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آ گئی اور اُس نے اپنے فرشتوں کی فوجیں ان کی مدد کے لئے اُتار دیں اور وہ جہاں بھی گئے کامیاب و بامراد ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ اس وقت کی تمام معلومہ دنیا پر چھا گئے اور انہوں نے دنیا کے کونے کونے میں خدا اور اس کے رسول کے نام کو بلند کر دیا۔ آج ہماری جماعت بھی صحابہؓ کے نقش قدم پر چل رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے بھی اُنہی قربانیوں کا مطالبہ کرے جن کا اس نے صحابہؓ سے مطالبہ کیا تھا جب تم وہ قربانیاں پیش کر دو گے تو خدا تعالیٰ کے فضل تم پر بھی اسی طرح نازل ہونے شروع ہو جائیں گے جس طرح صحابہؓ پر نازل ہوئے تھے۔

فرمودہ ۶؍جون ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب

میں نے کل بتایا تھا کہ کسی قوم کی کامیابی کے لئے سب سے پہلی چیز جو ضروری ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے سامنے کوئی مقصدِ عالی ہو اور پھر اس مقصد کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہو اور اس کے مفید ہونے پر اسے کامل یقین ہو، ایسا کامل یقین کہ کبھی اس کے متعلق قوم کے اندر یہ شبہ ہی پیدا نہ ہو کہ یہ مفید اور بابرکت نہیں ہے اور سب سے بہترین مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ انسان یا قوم

اپنے پیدا کرنے والے خدا کے ساتھ گہرا تعلق پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے سپرد کوئی کام کیا جائے جس میں غلطی کا امکان ہی نہ ہوسکتا ہو۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کبھی انسان اپنے لئے خود کوئی مقصد تلاش کرتا ہے تو اُس کے متعلق اُس کے دل میں بسا اوقات شبہات اور وساوس پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم یہ مقصد صحیح اور مفید اور بابرکت ہے یا نہیں ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ شاید میں غلطی کر رہا ہوں۔ دنیا میں بیسیوں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ کئی لوگوں نے اپنے لئے ایک مقصد تلاش کیا اور کچھ عرصہ تک اُس کو اپنائے رکھا لیکن یکدم ان کی حالت میں تبدیلی پیدا ہوگئی اور انہوں نے اس مقصد کو ترک کر دیا اور جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے سامنے اتنے عرصہ تک ایک مقصد رکھا تھا اور اب تم اسے چھوڑ رہے ہو اِس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے کہہ دیا کہ وہ مقصد چونکہ ہمارے لئے مفید نہ تھا اِس لئے اس کا چھوڑنا ہی ضروری تھا۔ بعض لوگ دیکھے گئے ہیں کہ پہلے تو وہ اپنی تمام تر توجہ تعلیم کی طرف مرکوز کر دیتے ہیں لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرتا ہے کہ ان کی حالت میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تعلیم کے ارادہ کو ترک کر کے بلکہ بسا اوقات اسے اپنے حالات کے لئے نقصان دہ قرار دیتے ہوئے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں اور جب ان سے پوچھا جائے کہ یہ تم نے کیا کیا کہ تعلیم کو چھوڑ سیاست میں آ گئے تو وہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے لئے تعلیم کا چھوڑنا اور سیاست میں حصہ لینا ہی مفید تھا لیکن جو شخص یا قوم ایک ایسا مقصد سامنے رکھے جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے اسے کہا ہو اور اس کو اپنی کامیابی پر کامل یقین ہو تو وہ کبھی اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مقصد غلط ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ نے اس کے لئے وہ مقصد قرار دیا ہوگا تو وہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک ہوگا اور اگر خدا نے تو اُس کو نہیں کہا بلکہ اس نے اپنے آپ ایک مقصد کو اپنا لیا ہے تو اس کے متعلق اُس کے دل میں شبہات بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور وساوس بھی ہو سکتے ہیں۔ یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ جس مقصد کو خدا کی رضا کے لئے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے اختیار کیا گیا ہو اس میں تبدیلی کا ہر وقت امکان ہوسکتا ہے۔ پس جب ایک دفعہ انسان کسی مقصد کو یہ کہہ کر اختیار کرتا ہے کہ اس کے متعلق خدا نے مجھے حکم دیا ہے تو وہ کبھی اس کے غیر مفید ہونے کے متعلق شکوک میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص پہلے تو یہ کہے کہ اس مقصد کا خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے اور بعد میں کہنے

لگ جائے کہ اس کا حکم تو خدا نے دیا ہے مگر یہ میرے لئے مفید نہیں ہے تو ایسے شخص کو ہر کوئی پاگل سمجھے گا کیونکہ اُس کا یہ کہنا تو درست ہوسکتا ہے کہ میں خدا کو نہیں مانتا یا خدا نے یہ حکم مجھے نہیں دیا تھا بلکہ میں نے اپنے ارادہ سے اس مقصد کو اپنے سامنے رکھا تھا اور اب اسے چھوڑ رہا ہوں لیکن خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہوئے اور کچھ عرصہ پہلے یہ کہتے ہوئے کہ اس مقصد کے لئے خدا نے مجھے حکم دیا ہے بعد میں کہہ دینا کہ یہ میرے لئے مفید نہیں ہے بالکل پاگل پن کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کسی مقصد کو منسوب نہ کرتے ہوئے بلکہ اپنے ارادہ کی طرف منسوب کر کے اسے چھوڑ دینے والے کو غلطی خوردہ تو کہہ سکتے ہیں پاگل نہیں کہیں گے لیکن جو شخص کہے کہ ہے تو خدا ہی کی طرف سے لیکن یہ غلط ہے اُس کو ہر کوئی پاگل سمجھے گا اور اِس بات کو کوئی شخص درست تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا کہ وہ خدا کی طرف سے بھی ہو اور غلط بھی ہو۔ خدا تعالیٰ کو کامل علیم و خبیر اور مقتدر ہستی تسلیم کرتے ہوئے اور اُس کی ذات کو محیطِ کُل مانتے ہوئے یہ کہنا کہ اُس نے غلط بات کہہ دی ہے سوائے کسی پاگل اور مجنون کے اور کسی انسان کا کام نہیں۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں مقصد کے لئے خدا نے ہمیں حکم دیا ان کے متعلق اس امر کا امکان ہی نہیں ہوسکتا کہ بعد میں وہ کہہ دیں کہ یہ ہے تو خدا کی طرف سے مگر ہے غلط لیکن جو لوگ خود اپنے لئے کوئی مقصد تلاش کر لیتے ہیں اور اس کو خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے اور بعد میں اسے چھوڑنا چاہیں یا بدلنا چاہیں تو وہ چھوڑ بھی سکتے ہیں اور بدل بھی سکتے ہیں۔ ایسے لوگ تعلیم حاصل کرتے کرتے یکدم چھوڑ دیتے ہیں اور سیاسیات میں حصہ لینا شروع کر دیتے ہیں یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سیاسیات میں حصہ لیتے لیتے یکدم اسے چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے گاندھی جی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ سیاست کرتے کرتے انہوں نے یکدم پہلو بدلا اور کہا میں تو اب چرخہ ہی کاتوں گا سیاست سے میں نے کنارہ کشی کر لی ہے اور چاہے وہ سنجیدگی کے ساتھ کہتے ہیں یا بناوٹ کے ساتھ وہ فخر کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ میں تو کانگرس کا چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہوں۔ اسی قسم کی اور بھی ہزاروں مثالیں دنیا میں پائی جاتی ہیں کہ لوگوں نے ایک کام کرتے کرتے دوسرا اختیار کر لیا اور اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ان کو وہ مقصد اس ہستی کی طرف سے نہیں دیا گیا ہوتا جس کے متعلق غلطی کا امکان نہیں صرف ان کی اپنی عقل نے ان کو

پہلے اِدھر لگایا اور پھر اُدھر لگا دیا۔

مسز اینی بسنٹ ایک بڑی لیڈر عورت تھی اور وہ یہ دعویٰ کرتی تھی کہ مجھے الہام ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا وجود نہ مانتی تھی بلکہ کہتی تھی کہ انسانوں سے اوپر ایک بالا ہستی ہے جو ایک قسم کا مرکزی نقطہ ہے وہ ارواح کو باتیں بتاتی ہے اور ارواح آگے انسانوں تک ان باتوں کو پہنچاتی ہیں۔ مسز اینی بسنٹ نے مدراس کے دو لڑکوں میں سے ایک کے متعلق کہا کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہوگا اور یہ دنیا کی اصلاح کرے گا اور مسیح سے بھی بڑا ہوگا اور کہا میری شان یہ ہے کہ میں صرف اس اوتار کو تیار کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہوں۔ چنانچہ اس نے کچھ روپیہ اُن دونوں لڑکوں کے والدین کو دے کر وہ لڑکے لے لئے اور اُن کو اپنی نگرانی میں اعلیٰ تعلیم دینی شروع کی اور ان کی ہر وقت کی نگرانی کے لئے اُس نے مسمریزم کے ماہرین مقرر کئے اور اُن کی اتنی نگرانی کی جاتی کہ جب وہ لڑکے قضائے حاجت کے لئے جاتے تو مسمریزم کے ماہرین باہر کھڑے رہتے اور ان پر توجہ ڈالتے تا کہ ان کے اندر بُرے خیالات نہ آنے پائیں۔ جب میں ولایت سے واپس آ رہا تھا تو اسی جہاز میں وہ دونوں لڑکے بھی تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ لڑکے جدھر جاتے اُن کی سخت نگرانی کی جاتی۔ ان میں سے جو بڑا لڑکا تھا وہ چھپ چھپا کر بعض دفعہ اِدھر اُدھر نکل جایا کرتا تھا۔ اُس سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ تمہارا ان باتوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ اس نے کہا یہ سب باتیں بالکل لغو ہیں میں ان کو نہیں مانتا۔ مگر چھوٹا لڑکا جس کے متعلق مسز اینی بسنٹ نے کہا تھا کہ یہ بڑا ہو کر دنیا کی اصلاح کرے گا اور فلاں سنہ میں اپنا دعویٰ پیش کرے گا وہ اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ رکھتا تھا اور ایسی شکل بنائے رکھتا تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو اور کسی بڑی مہم کے متعلق غور و فکر کر رہا ہو۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ سنہ اور وہ تاریخ آ گئی جو مسز اینی بسنٹ نے اُس لڑکے کے دعویٰ کے لئے بیان کی تھی تو اُن دنوں سارے ہندوستان میں اُس کے دعویٰ کے متعلق بڑا شور مچا اور جلسے منعقد کئے گئے۔ ایک جلسہ لاہور میں بھی ہوا تھا لیکن اُس جلسہ میں اُس لڑکے نے جو تقریر کی اُس کو سن کر دنیا حیران رہ گئی۔ اُس نے اپنی تقریر میں کہا خدا کا وجود صرف ایک ڈھکوسلہ ہے نہ الہام ہوتا ہے نہ کچھ اور۔ غرض جو مقصد اس کا مسز اینی بسنٹ نے بتایا تھا وہ سب غلط ہو گیا اور وہ خدا تعالیٰ کے وجود کا ہی منکر ہو گیا چہ جائیکہ وہ دنیا کی اصلاح

کا کام کرتا اور حضرت مسیحؑ سے بھی بڑا اوتار ہوتا۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ مقصد ایک انسان کا تھا خدا کا نہ تھا۔ مسز اینی بسنٹ نے اُس کو کافی روپیہ دیکر خریدا، اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائی، اُس کی دن رات نگرانی کی، اُس کے لئے چیدہ چیدہ معلمین مقرر کئے، بڑے بڑے ماہرین مسمریزم اُس کے لئے بہت بڑی تنخواہوں پر رکھے، اُس کی ہر حرکت اور اُس کے ہر سکون کی نگرانی کی گئی حتیٰ کہ پاخانہ کے وقت بھی مسمریزم کے ماہرین اُس پر توجہ ڈالتے رہے تا کہ اس کے اندر بدخیالات نہ آنے پائیں۔ غرض اس کی تعلیم، اس کی نگہداشت اور اُس کے لئے ہر قسم کے اعلیٰ سامان مہیا کئے گئے صرف اِس لئے کہ یہ لڑکا جب بڑا ہوگا تو دنیا میں ایک نیا مشن قائم کرے گا اور دنیا کی اصلاح کرے گا اور مسیحؑ سے بھی بڑھ کر ہوگا کوئی دقیقہ اُس کے لئے علمی ماحول پیدا کرنے کا اُٹھا نہ رکھا گیا، کوئی کسر اُس کی تعلیم میں باقی نہ رہی، کوئی کمی اُس کی نگرانی میں نہ کی گئی، لیکن وہ لڑکا جب بڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے خدا تو ہے ہی نہیں۔ دنیا کی اصلاح کرنا تو درکنار، مسیحؑ سے بڑا ہونا تو ایک طرف وہ سرے سے خدا ہی کا انکار کر دیتا ہے اور مسز اینی بسنٹ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ سَو فیصدی اُس کے اُلٹ نکلتا ہے۔

لیکن آج سے چودہ سَو سال پہلے خدا تعالیٰ کے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے خبر پا کر فرماتے ہیں کہ آج سے تیرہ سَو سال کے بعد ایک انسان پیدا ہوگا جو میرا مثیل ہوگا اور وہ میرے لائے ہوئے مشن کو دوبارہ دنیا میں قائم کر دے گا اور میری باتیں لوگوں تک پہنچائے گا۔ وہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام پہنچائے گا اور ساری دنیا میں کیا شمال اور کیا جنوب، کیا مشرق اور کیا مغرب خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرے گا۔ جس انسان کے متعلق پیشگوئی کی جا رہی ہے نہ اُس کا باپ اُس وقت موجود ہے، نہ اُس کے باپ کا باپ موجود ہے، نہ اُس کے دادا کا دادا موجود ہے اور نہ اُس کے دادا کا پردادا موجود ہے مگر اس کی ساری نشانیاں بتائی جاتی ہیں کہ وہ فلاں علاقہ میں آئے گا، فلاں سنہ میں آئے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فلاں خاندان میں آئے گا۔ پھر یہ پیشگوئی کرنے والے اور جس کے متعلق پیشگوئی کی جا رہی ہے دونوں کے زمانوں میں سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے، پیشگوئی کرنے والے کی زبان اور ہے اور جس کے متعلق پیشگوئی کی جا رہی ہے اُس کی زبان اور ہے، پیشگوئی کرنے والے کی قوم اور ہے

اور اس کی قوم اور، پیشگوئی کرنے والے کا ملک اور ہے اور اس کا ملک اور، پیشگوئی کرنے والے کا خاندان اور ہے اور اس کا خاندان اور، پیشگوئی ہو جاتی ہے مگر پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی بھی آثار نہیں ہیں۔ ایک قوم چین کے ملک سے اُٹھتی ہے اور اُس کے افراد کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم تمام دنیا پر پھیل جائیں وہ لوگ خدا کے منکر ہیں اور انبیاء کے منکر ہیں اور وہ سفید بھیڑیئے کی پرستش کرتے ہیں وہ لوگ جنگلوں میں رہتے تھے اور ان کے بچوں کو بھیڑیئے اُٹھا کر لے جاتے تھے اِس لئے وہ ان کو بہت زیادہ طاقت ور سمجھ کر ان کی پرستش کرتے تھے مگر ان کے اندر بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دندناتے ہوئے اپنے ملک سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، وہ لوٹ اور تباہی مچاتے ہوئے ایک طرف یورپ تک پہنچ جاتے ہیں اور دوسری طرف بغداد تک۔ بغداد کے گرد و پیش وہ اتنی تباہی مچاتے ہیں کہ اٹھارہ لاکھ انسانوں کو تہہ تیغ کر دیتے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اس قوم میں سے ایک شخص ہوگا جو میرا مثیل ہوگا جو اسلام کے ایک دفعہ کمزور ہو جانے کے بعد دوبارہ اُس کو دنیا میں قائم کرے گا، جو توحید کا علمبردار ہوگا اور دنیا کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرے گا اور میرے لائے ہوئے مشن کو دوبارہ قائم کر دے گا۔ پھر وہ قوم جو چین سے اُٹھی تھی بغداد میں بادشاہ ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر چالیس پچاس سال تک جابرانہ حکومت کرتی ہے اُس وقت وہ قوم خدا سے ناآشنا ہے، مذہب سے ناآشنا ہے اور اخلاق سے بے بہرہ ہے مگر آخر وہ قوم اسلام قبول کرتی ہے۔ مگر دُنیوی طور پر اِسی قوم سے ایک بادشاہ تیمور نامی اُٹھتا ہے اور دنیا میں تباہی اور خونریزی مچا دیتا ہے وہ آندھی کی طرح اُٹھتا ہے اور بگولے کی طرح مُلکوں کے مُلک اپنے ظلم و ستم کی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر فتح وظفر کے پرچم اُڑاتا ہوا تیزی کے ساتھ بڑھتا ہے اور ہندوستان میں پہنچ جاتا ہے۔ مگر اُس وقت تک بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی نشانات ظاہر نہیں ہوتے۔ پھر اسی خاندان کا ایک حصہ قادیان میں آکر رہائش پذیر ہوتا ہے جو دُنیوی لحاظ سے بے شک وجاہت رکھتا ہے لیکن دینی لحاظ سے نہیں اور وہ خاندان ایسا ہی ہے جیسے عوام شرفاء ہوتے ہیں۔ پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت نزدیک ہے لیکن اس کے پورا ہونے کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ اس دوران

میں قادیان میں ایک شخص غلام مرتضٰی کے گھر اولاد ہوتی ہے اور وہ اپنی اولاد پر زور دیتا ہے کہ وہ دین کی طرف نہ جائے بلکہ دنیا کمائے بلکہ وہ اپنے ایک بیٹے کا تو لوگوں کے سامنے شکوہ بھی کرتا ہے کہ یہ تو مُلّاں بن گیا ہے اور اِس کو روزی کمانے کی ذرا بھی فکر نہیں۔ اب عین وہ موقع آجاتا ہے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نے پورا ہونا ہے لیکن ابھی تک کوئی آثار اس کے پورا ہونے کے نہیں پائے جاتے۔ ایک لڑکا ایسے گھر میں پرورش پا رہا ہے جس میں دنیاداری ہی دنیاداری ہے، باپ اِس کشمکش میں پڑا ہے کہ اس کے بیٹے نوکریاں کریں اور دنیا کمائیں لیکن اسی گھر میں ایک شخص کو یک لخت آواز آتی ہے کہ تُو ہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، تُو ہی وہ موعود مسیح ہے جس کی خبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، تُو ہی وہ مہدی ہے جس کے ذریعہ دنیا کی ہدایت مقدر ہے، تُو ہی وہ فارسی النسل ہے جس کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی تھی کہ اگر دین اسلام ثریا تک بھی پہنچ جائے گا تو وہ واپس لے آئیگا[9] تُو ہی وہ موعود اقوامِ عالم ہے جس کے متعلق ہر نبی نے خبر دی تھی۔ اُٹھ اور توحید کا علم بلند کر۔

اب دیکھو ان دونوں باتوں میں کتنا فرق ہے ایک طرف تو یہ حالت ہے کہ مسز اینی بسنٹ اس لڑکے کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلاتی، اس کے اتالیق مقرر کرتی ہے، اُس پر نگران رکھتی ہے اور اُس پر ہزاروں روپیہ خرچ کرتی ہے اور کہتی ہے یہ دنیا کی اصلاح کرے گا اور اس کے لئے خالص علمی ماحول پیدا کرتی ہے مگر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ سرے سے خدا کا ہی انکار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عربوں سے باہر غیر قوم میں سے خدا تعالیٰ ایک شخص کو دین کی تجدید اور اس کے احیاء کے لئے چُنے گا اور دین اور ایمان خواہ آسمان پر اُڑ جائے وہ آسمان پر پہنچے گا اور پھر اُس کو لا کر دنیا میں قائم کر دے گا آپ اس خاندان کے متعلق پیشگوئی فرماتے ہیں جو اس وقت مسلمان ہی نہیں اور وہ خدا اور مذہب کا بھی منکر ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ خاندان مسلمان ہوتا ہے مگر دُنیوی فوائد کے پیش نظر۔ اور متواتر تیرہ سَو سال تک اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے مگر عین اُس وقت جب پیشگوئی کے پورا ہونے کا زمانہ آتا ہے ایک کوردیہہ[10] میں ایک چھوٹی سی غیر معروف بستی میں

ایک ایسی بستی میں جس کو دس پندرہ میل دُور کے لوگ بھی نہیں جانتے، ایک ایسے خاندان میں جس کی حیثیت کمزور ہو چکی تھی ایک شخص کو خدا تعالیٰ چنتا ہے اور کہتا ہے اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے اُٹھ اور کھڑا ہو جا اور اپنا کام شروع کر دے۔ اب دیکھو کجا یہ کہ ایک شخص کی نگرانی کرنا، اُس کو تعلیم دلانا اور اُس پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دینا مگر بالآخر اُس کا خدا سے منکر ہو جانا اور کجا یہ کہ مخالف حالات کی موجودگی میں ایک رات خدا تعالیٰ ایک شخص کو پکڑتا ہے اور فرماتا ہے اُٹھ کہ تُو ہی وہ موعود ہے جس کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔

پس انسانی مقصد خدائی مقصد کے سامنے بالکل ہیچ ہوتا ہے۔ انسانوں کے مقاصد بدل جاتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے مقاصد نہیں بدلتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے لوگ سب کے سب یکساں نہیں ہوتے بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ہر جہت سے ہر قول اور ہر فعل سے خدا نما، رسول نما، اور حقائق نما ہوتے ہیں اور وہ خدا اور رسول اور حقائق میں بالکل محو ہو جاتے ہیں اور اُن کا قدم صرف ایک ہی طرف اُٹھتا ہے لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو دلائل کے ساتھ سچائی کو مان جاتے ہیں حالانکہ سچ کا ماننا اور چیز ہے اور سچ کا جذب ہو جانا اور چیز ہے۔ مؤمن کے اندر سچ جذب ہو جاتا ہے اور غیر مؤمن کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے کہ سچ اس پر سے ایسے گذر جاتا ہے جیسے ہندو سخت سردی میں غسل کیا کرتے ہیں۔ ہم نے خود کئی بار ہندوؤں کو غسل کرتے دیکھا ہے کہ وہ گڑوی سے اپنے اوپر پانی ڈالتے ہیں اور خود کود کر آگے ہو جاتے ہیں اور پانی پیچھے جا گرتا ہے دو چار چھینٹے ان کے بدن پر پانی کے پڑ گئے اور ان کا غسل ہو گیا۔

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی ہندو سردی کے ایام میں دریا پر کانپتا اور ٹھٹھرتا ہوا جا رہا تھا ایک طرف تو اُس کو غسل کی خواہش تھی اور دوسری طرف وہ سردی سے بھی ڈر رہا تھا۔ رستہ میں اس کو ایک اور پنڈت ملا جو دریا پر سے نہا کر واپس آ رہا تھا اُس نے پنڈت جی سے پوچھا سنایئے کیسے نہائے؟ اُس نے کہا کیا بتاؤں سخت سردی تھی اور پانی برف سے بھی ٹھنڈا تھا اس لئے میں نے یہ کیا کہ ایک کنکر اُٹھا کر دریا میں پھینکا اور کہا ''تو را شنان سو مورا شنان'' اُس نے سن کر کہا اچھا یہ

بات ہے تو ’’تو راشنان سوموراشنان‘‘ یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ ہی واپس لوٹ آیا۔

اب دیکھو ایک دریا پر گیا بھی تھا اور کنکر پھینک کر واپس آ گیا مگر دوسرے نے وہیں کہہ دیا کہ ’’تو راشنان سوموراشنان‘‘۔ پس یہ انسانی فطرت ہوتی ہے کہ بعض لوگ سچائی کو اپنے اندر جذب نہیں کرتے۔ جو لوگ سچ کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اور اپنی تمام تر توجہ سچ پر مرکوز کر دیتے ہیں وہ ایسے نتائج پیدا کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا شخص ان کا وہم و گمان بھی نہیں کرسکتا۔ درحقیت اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں دو طاقتیں کام کر رہی ہیں ایک وِلز پاور(will power) یعنی افکار اور ایک تھنکنگ پاور(Thinking power) یعنی خیالات۔ اور یہ دونوں چیزیں آپس میں بالکل مختلف اور متباین ہیں۔ ایک فلسفی پہلے ایک چیز کو مانتا ہے مگر بعد میں اس کا انکار کر دیتا ہے اور اس کے خلاف چلتا ہے اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اس کو خیالات کی وجہ سے مانتا ہے افکار کی بناء پر نہیں مانتا گویا سچ اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔

ہم ولایت جا رہے تھے حافظ روشن علی صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے جہاز میں ایک ہندو بھی ولایت جا رہا تھا ہم لوگ جب کھانے پر بیٹھتے تو ہم دیکھتے کہ وہ ہندوؤ کباب اور گوشت خوب کھاتا مگر اِدھر آ کر وہ ہم سے بحث کیا کرتا کہ گوشت خوری جیو ہتیا[۱۱] ہے تمہارا اسلام گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے۔ پھر جب وہ کھانے کے لئے پہنچتا تو خوب کباب کھاتا۔ ایک دن ہم میں سے بعض دوستوں نے کہا کہ یہ ہندو عجیب آدمی ہے کہ ایک طرف تو وہ بڑے مزے لے لے کر گوشت کھاتا ہے اور دوسری طرف بحث کرتا ہے کہ اسلام نے جو گوشت خوری کی اجازت دی ہے یہ جیو ہتیا ہے۔ حافظ روشن علی صاحب مرحوم نے کہا اچھا میں اس کا بندوبست کرتا ہوں اب یا تو وہ گوشت نہیں کھائے گا اور اگر گوشت کھائے گا تو بحث نہیں کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک اٹالین بہرہ کو بُلایا اور اُسے اشارہ سے کہا کہ وہ دیکھو جو فلاں آدمی بیٹھا ہے وہ گوشت خوری کے سخت خلاف ہے اِس لئے اُس کے سامنے کبھی گوشت نہ رکھنا ورنہ کسی وقت وہ تمہیں سخت مارے گا۔ بہرے نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو بہرے نے اُس ہندو کے سامنے گوشت یا کباب وغیرہ کی کوئی پلیٹ نہ رکھی بلکہ دو تین قسم کی ترکاریاں رکھ دیں۔ اُس نے زہر مار کر کے روٹی کھالی مگر دل ہی دل میں پیچ و تاب

کھاتا رہا۔ دوسرے دن پھر یہی حال ہوا۔ دو دن تو اُس نے اِس بات کو برداشت کر لیا مگر آخر اُس سے نہ رہا گیا اُس نے بہرے سے پوچھا کہ تم میرے سامنے گوشت کیوں نہیں رکھتے اس نے اسے بتایا کہ فلاں شخص نے مجھے کہا تھا کہ یہ صاحب گوشت کے سخت خلاف ہیں۔ وہ حافظ صاحب مرحوم کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے بہرے کو کوئی بات کہی تھی؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے پوچھا کیا بات کہی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے اسے بتایا تھا کہ یہ صاحب گوشت خوری کے سخت خلاف ہیں ان کے سامنے کبھی گوشت نہ رکھنا ورنہ یہ تجھے ماریں گے۔ یہ سن کر وہ ہندو کہنے لگا گوشت کھانا الگ بات ہے اور بحث الگ بات۔ میرے کھانے میں آپ کسی قسم کا دخل نہیں دے سکتے۔ حافظ صاحب مرحوم نے مسکرا کر کہا اچھا میں اِس بات کو نہیں سمجھا تھا کہ آپ کی بحث اور آپ کے عمل میں تضاد ہے۔

اب دیکھو اس ہندو کا فکر تو صحیح تھا کہ گوشت کھانا چاہئے مگر یہ فکر چونکہ اس کے اندر جذب نہ ہوا تھا اِس لئے اُس کے جذبات اور طرف جا رہے تھے اور ارادہ اور طرف۔ پس جب تک سچائی انسان کے اندر جذب نہ ہو جائے تب تک وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتا۔ مسمریزم اور ہپناٹزم والے جب یہ علم کسی کو سکھاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ تمہارے دل میں صرف خیال کا ہی پیدا ہونا کافی نہیں کہ یہ طاقت میرے اندر آ جائے گی بلکہ تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ یہ قوت تمہارے اندر آ گئی ہے اور تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ تم اب اس کو استعمال کر سکتے ہو۔ وہ لوگ خدا کے تو قائل نہیں ہوتے مگر وہ کہتے ہیں کہ ایک محیطِ کُل ہستی ہے وہ جب یہ علم سیکھتے ہیں تو سانس کھینچتے ہوئے کہتے ہیں اے محیطِ کُل طاقت؟ ہم تجھے اپنے اندر جذب کر رہے ہیں اور وہ سیکھنے والوں سے بھی کہتے ہیں کہ صرف اتنا ہی ضروری نہیں کہ تم یہ خیال کر لو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر جذب ہو رہی ہے بلکہ ضروری چیز یہ ہے کہ تم محسوس کرو کہ یہ طاقت تمہارے اندر جذب ہو رہی ہے اور جب تم محسوس کر لو گے تو وہ طاقت تمہارے اندر آ جائے گی۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ جب تم کسی پر عمل کرو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توجہ ڈالو یا اس کے کانوں میں آواز دو تو اسے یہ نہ کہو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر آئے بلکہ یہ کہو کہ محیطِ کُل کی طاقت تمہارے اندر آ گئی ہے اور یہ صحیح بات ہے میں نے خود بھی اس کے متعلق

تجربہ کیا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے خسر منشی احمد جان صاحب مرحوم کو اس علم کی بڑی مشق تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ لدھیانہ میں ایک دعوت سے واپس تشریف لا رہے تھے اور منشی احمد جان صاحب بھی ساتھ تھے کہ آپ نے ان سے پوچھا کہ رتڑ چھتڑ والوں کی مریدی میں بارہ سال رہ کر اور مختلف قسم کی ریاضات کر کے آپ نے کیا حاصل کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اب مجھ میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ فلاں آدمی جو آ رہا ہے اگر میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالوں اور توجہ کروں تو وہ وہیں تڑپ کر گر جائے۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور اپنی سوٹی کو دو چار دفعہ زمین پر آہستہ آہستہ مارا (آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں سوٹی رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سر پر پگڑی باندھنا اور ہاتھ میں سوٹی رکھنا یہ ہماری خاندانی عادت ہے ہم نے بھی جب سے یہ بات سنی اُسی دن سے سوٹی ہاتھ میں رکھنی شروع کر دی مگر اب ہمارے بچے اِس پر عمل نہیں کرتے معلوم نہیں کیا وجہ ہے میں نے تو جس دن یہ بات سُنی تھی اُسی دن اِس پر عمل شروع کر دیا تھا) آپ نے جوش کے ساتھ دو چار دفعہ سوٹی کے ذریعہ زمین کو کریدا اور پھر فرمایا میاں صاحب! اگر وہ شخص آپ کی توجہ سے گر گیا تو اُس کو یا دین کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ کیونکہ کسی کام کی دو ہی غرضیں ہوتی ہیں یا تو یہ غرض ہوتی ہے کہ اُس کو فائدہ پہنچے جس کے لئے وہ کام کیا جائے اور یا پھر دین کو فائدہ پہنچے۔ یہ سننا تھا کہ میاں احمد جان صاحب کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے کسی پر بجلی گر پڑتی ہے اور انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے کہا حضور! میں آج سے توبہ کرتا ہوں کہ کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔ انہوں نے بارہ سال کی متواتر محنت کے بعد یہ علم حاصل کیا تھا مگر یکدم اس سے توبہ کر لی۔ میں نے خود اس علم کے تجارب کئے ہیں۔ خلافت کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے کہ مجھے اس کے تجربہ کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں نے صرف ایک یا دو دن کی پریکٹس سے اسے سیکھ لیا۔

پس دوسری چیز جو قومی ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہے وہ قوتِ ارادی ہے اور قوتِ ارادی وہ نہیں جو مسمریزم والوں کی ہوتی ہے بلکہ ایمان کی قوتِ ارادی۔ مسمریزم والوں کی قوتِ ارادی ایمان کی قوتِ ارادی کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ مسمریزم کی قوتِ ارادی ایمان کی قوتِ ارادی کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی قوتِ ارادی اور انسان

کی قوتِ ارادی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اسی مسجد مبارک میں نچلی چھت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں بیٹھا کرتے تھے ایک دفعہ آپ مجلس میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک ہندو جو لاہور کے کسی دفتر میں اکاؤنٹنٹ تھا اور مسمریزم کا بڑا ماہر تھا وہ کسی برات کے ساتھ قادیان اس ارادہ سے آیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کروں گا اور وہ مجلس میں بیٹھے ناچنے لگ جائیں گے اور لوگوں کے سامنے اُن کی سُبکی ہوگی یہ واقعہ اس ہندو نے خود ایک احمدی دوست کو سنایا تھا وہ اس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاہور کے اس احمدی کے ہاتھ اپنی ایک کتاب روانہ فرمائی اور کہا یہ کتاب فلاں ہندو کو دے دینا۔ اس احمدی دوست نے اس کو کتاب پہنچائی اور اس سے پوچھا کہ حضرت صاحب نے آپ کو اپنی یہ کتاب کیوں بھجوائی ہے اور آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اِس پر اُس ہندو نے اپنا واقعہ بتایا کہ مجھے مسمریزم کے علم میں اتنی مہارت ہے کہ اگر میں تانگہ میں بیٹھے ہوئے کسی شخص پر توجہ ڈالوں تو وہ شخص جس پر میں نے توجہ ڈالی ہوگی وہ بھی ٹانگہ کے پیچھے بھاگا آئے گا حالانکہ نہ وہ میرا واقف ہوگا اور نہ میں اُس کو جانتا ہوں گا۔ میں نے آریوں اور ہندوؤں سے مرزا صاحب کی باتیں سنی تھیں کہ انہوں نے آریہ مت کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں مرزا صاحب پر مسمریزم کے ذریعہ اثر ڈالوں گا اور جب وہ مجلس میں بیٹھے ہوں گے تو ان پر توجہ ڈال کر ان کے مریدوں کے سامنے ان کی سُبکی کروں گا۔ چنانچہ میں ایک شادی کے موقع پر قادیان گیا مجلس منعقد تھی اور میں نے دروازے میں بیٹھ کر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی۔ وہ کچھ وعظ و نصیحت کی باتیں کر رہے تھے میں نے توجہ ڈالی تو اُن پر کچھ بھی اثر نہ ہوا میں نے سمجھا ان کی قوتِ ارادی ذرا قوی ہے اس لئے میں نے پہلے سے زیادہ توجہ ڈالنی شروع کی مگر پھر بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اسی طرح باتوں میں مشغول رہے۔ میں نے سمجھا کہ ان کی قوتِ ارادی اور بھی مضبوط ہے اس لئے میں نے جو کچھ میرے علم میں تھا اُس سے کام لیا اور اپنی ساری قوت صَرف کر دی لیکن جب میں ساری قوت لگا بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ ایک شیر میرے سامنے بیٹھا ہے اور وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں ڈر کر اور اپنی جوتی اُٹھا کر بھاگا۔ جب میں دروازے میں پہنچا تو مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے کہا دیکھنا یہ کون شخص ہے۔ چنانچہ ایک شخص میرے

پیچھے سیڑھیوں سے نیچے اُترا اور اُس نے مسجد کے ساتھ والے چوک میں مجھے پکڑ لیا۔ میں چونکہ اُس وقت سخت حواس باختہ تھا اِس لئے میں نے پکڑنے والے سے کہا اِس وقت مجھے چھوڑ دو میرے حواس درست نہیں ہیں میں بعد میں یہ سارا واقعہ مرزا صاحب کو لکھ دوں گا چنانچہ اُسے چھوڑ دیا گیا اور بعد میں اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ تمام واقعہ لکھا اور کہا کہ مجھ سے گستاخی ہوگئی ہے میں آپ کے مرتبہ کو پہچان نہ سکا اس لئے آپ مجھے معاف فرمادیں۔ میاں عبدالعزیز صاحب مغل لاہور والے سنایا کرتے تھے کہ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں نہ سمجھا کہ مرزا صاحب مسمریزم جانتے ہیں اور اس علم میں تم سے بڑھ کر ہیں۔ اس نے کہا یہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ مسمریزم کے لئے توجہ کا ہونا ضروری ہے اور یہ عمل کامل سکون اور خاموشی چاہتا ہے مگر مرزا صاحب تو باتوں میں لگے ہوئے تھے اِس لئے میں نے سمجھ لیا کہ ان کی قوتِ ارادی زمینی نہیں بلکہ آسمانی ہے۔

پس جو قوتِ ارادی خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو دی جاتی ہے اور جو کامل ایمان کے بعد پیدا ہوتی ہے اس میں اور انسانی قوتِ ارادی میں بُعدَ المشرقین ہوتا ہے جس شخص کو خدا تعالیٰ قوت ارادی عطا فرماتا ہے اس کے سامنے انسانی قوتِ ارادی تو بچوں کا سا کھیل ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے سامنے جادوگروں کے سانپ مات ہوگئے تھے اسی طرح جب خدا تعالیٰ کے پیاروں کی قوتِ ارادی ظاہر ہوتی ہے تو اس قسم کی قوتِ ارادی رکھنے والے لوگ ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس دوسری چیز قومی ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام سچائیوں کو اپنے اندر جذب کرلیا جائے یہ نہیں کہ صرف وفاتِ مسیح کو مان لیا جائے اور کہہ دیا کہ بس ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے بلکہ وفاتِ مسیح کے مسئلہ کو سامنے رکھ کر اس کے چاروں پہلوؤں پر غور کیا جائے کہ وفاتِ مسیح کا ماننا کیوں ضروری ہے ہمیں جو چیز حیاتِ مسیح کے عقیدہ سے چبھتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک تو حیاتِ مسیح کے عقیدہ سے حضرت عیسیٰ کی فضیلت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت ہوتی ہے حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کوئی نبی ہوا ہے نہ ہو گا اور حیاتِ مسیح ماننے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے ساری دنیا کی حقیقی اصلاح کی مسیحؑ کی فوقیت ثابت ہوتی ہے اور یہ اسلامی عقائد کے خلاف ہے ہم تو ایک لمحہ کے لئے یہ

خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتے کہ مسیحؑ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے اور یہ ماننے سے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو زیرِ زمین مدفون ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں اسلام کی سخت توہین ہوتی ہے دوسری بات جو اس حیاتِ مسیح کے عقیدہ کے ماننے سے ہمیں چبھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے توحیدِ الٰہی میں فرق آتا ہے۔ یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہمیں وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر زور دینا پڑتا ہے اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو مسیح خواہ آسمان پر ہوتے یا زمین پر ہمیں اس سے کیا واسطہ تھا مگر جب ان کا آسمان پر چڑھنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی توہین کا موجب بنتا ہے اور توحید کے منافی ہے تو ہم اس عقیدہ کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ ہم تو یہ بات سننا بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ مسیح، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے کُجا یہ کہ اس عقیدہ کو مان لیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عام احمدی جب وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے دلائل پیش کر رہے ہوتے ہیں تو اُن کے اندر جوش پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس طرح اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں جس طرح عام گفتگو کی جاتی ہے مگر ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے کہ جب آپ وفاتِ مسیح کا مسئلہ چھیڑتے تھے تو اُس وقت آپ جوش کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے تھے اور آپ کی آواز میں اتنا جلال ہوتا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ کا قیمہ کر رہے ہیں۔ آپ کی حالت اُس وقت بالکل متغیر ہو جایا کرتی تھی اور آپ نہایت جوش کے ساتھ یہ بات پیش کرتے تھے کہ دنیا کی ترقی کے راستہ میں ایک بڑا بھاری پتھر پڑا تھا جس کو اُٹھا کر میں دور پھینک رہا ہوں، دنیا تاریکی کے گڑھے میں گر رہی تھی مگر میں اس کو نور کے میدان کی طرف لئے جا رہا ہوں۔ آپ جس وقت یہ تقریر کر رہے ہوتے تھے آپ کی آواز میں ایک خاص جوش نظر آتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت پر مسیح بیٹھ گئے ہیں جس نے ان کی عزت اور آبرو چھین لی ہے اور آپ اُس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت واپس لینا چاہتے ہیں۔

پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی خودساختہ متخیّلہ کو چھوڑ دو اور اپنی قوتِ ارادی کو مضبوط بناؤ تم یہ سمجھ لو کہ تمام دنیا کی روحانی خرابی اور تباہی دور کرنے کی ذمہ داری تمہارے

سر پر ہے اور اِس قسم کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے یہ سمجھ لو کہ یہ حملہ ماضی یا مستقبل کا نہیں بلکہ حال کا ہے اور تم پر اور تمہارے عزیزوں اور رشتہ داروں پر ہو رہا ہے اور تم سمجھ لو کہ اگر تم نے اس حملے کا دفاع نہ کیا تو وہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ اگر تم ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مخالفت کی باتوں کا جواب دو گے تو سننے والے اور دیکھنے والے کہیں گے کہ یہ شخص سچا پیغامبر ہے لیکن اگر تم روحانیت سے خالی بحث کرو گے تو تم صرف مولوی کہلا سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو مولوی کبھی نہیں جیتا کرتے انبیاء جیتتے ہیں اور انبیاء قوتِ متخیّلہ نہیں رکھتے بلکہ قوتِ ارادی رکھتے ہیں ایسی قوتِ ارادی جو عظیم الشان نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

(الفضل ۵ تا ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

---

۱. البقرة: ۱۴۹
۲. متی باب ۶ آیت ۹، ۱۰ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزا پور ۱۸۷۰ء (مفہوماً)
۳. لاتکلف الا نفسک۔ (النساء: ۸۵)
۴. تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء
۵. چوری۔ مورچھل۔ چنور: بالوں کا گچھا جس سے مکھیاں اُڑاتے ہیں۔
۶. البقرة: ۱۵۵
۷. ابوداؤد کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق شھادة الواحد...... الخ
۸. ''نیمے دروں نیمے بروں'' یعنی آدھا اندر آدھا باہر
۹. بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قولہ و اٰخرین منھم لما یلحقوا بھم
۱۰. کوردیہہ: (کوردہ)۔ جاہلوں کی بستی
۱۱. جیوہتیا: جیو: زندگی۔ روح۔ جاندار۔ ہتیا: قتل۔ خون۔ گناہ۔ جرم۔ دکھ۔ عذاب